غزوۂ قسطنطینیہ اور یزید

(از مولوی عبدالحنان صاحب سلہٹی)

یہ سوال بھاولنگر کے ایک عالم دین نے حضرت علامہ بنوری زیدت معالیہم کی خدمت میں بھیجا تھا جس کا جواب مدیر "بینات" کی نگرانی میں مولوی عبدالحنان صاحب سلہٹی نے مرتب کیا اور اب اپنے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس سوال وجواب کو ناظرین "بینات" کی دلچسپی کے لئے اس شمارہ میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

سوال

عن انس بن مالك قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ذهب الى قباء يدخل على ام حرام بنت ملحان فتطعمه وكانت ام حرام تحت عبادة بن الصامت فدخل عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فاطعمته وجلست تفلى رأسه، فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم استيقظ وهو يضحك قالت: فقلت ما يضحكك يا رسول الله؟ قال: ناس من امتي عرضوا علي غزاة في سبيل الله يركبون ثبج هذا البحر ملوكاً على الاسرة او مثل الملوك على الاسرة - يشك اسحاق - قالت: فقلت يا رسول الله! ادع الله ان يجعلني منهم، فدعا لها، ثم وضع رأسه، ثم استيقظ يضحك، قالت: فقلت يا رسول الله! ما يضحكك؟ قال: ناس من امتي عرضوا علي غزاة في سبيل الله، ملوكاً على الاسرة او مثل الملوك على الاسرة، كما قال في الاولى، قالت: فقلت يا رسول الله! ادع الله ان يجعلني منهم، فقال: انت من الاولين، قال: فركبت البحر في زمن معاوية فصرعت عن دابتها فهلكت۔ (رواه البخاري ومسلم وابوداؤد والترمذي وغيرهم)[1]

[1] حاشیہ بر صفحہ آئندہ۔

شبہ اول قال الزرقانی (شارح موطا امام مالک) قال المهلب فیہ منقبۃ لمعاویۃ لانہ اول من غزا البحر ولابنہ یزید لانہ اول من غزا مدینۃ قیصر وھی القسطنطینیۃ۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دو پیشینگوئیاں فرمائی ہیں جو لامحالہ پوری ہونی چاہئیں، ایک بال برابر بھی ان میں کمی زیادتی کا امکان نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ صادق مصدوق کی خبریں ہیں ان میں معمولی سی کمی زیادتی بھی نبوت سے اعتماد اُٹھ جانے کا باعث بن سکتی ہے چنانچہ علامہ موصوف ہی فرماتے ہیں: وفیہ علم من اعلام النبوۃ وھو الاخبار بما سیقع فوقع کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

(حاشیہ صفحۂ گذشتہ) (ترجمہ[1]) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قباء تشریف لیجاتے تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر پر جلوہ افروز ہوتے اور وہ کھانے سے آپ کی تواضع کرتیں۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں چنانچہ ایک دن (حسب معمول) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے کھانے سے آپ کی تواضع کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے جوئیں نکالنے بیٹھ گئیں۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آگئی پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں۔ فرمایا میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کئے گئے ہیں جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے سمندر کی گہرائیوں کو عبور کریں گے۔ بادشاہ ہیں جو تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں یا یوں فرمایا کہ تختوں پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔ راوی حدیث اسحاق کو شک ہے (کہ آپ نے ان دونوں الفاظ میں سے کیا فرمایا)۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے بھی ان ہی میں شامل کر دے۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کیلئے دعا فرمائی اس کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک رکھا (اور سو گئے) اور پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ جو خدا کی راہ میں جہاد کریں گے مجھ پر اس حال میں پیش کئے گئے کہ تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہیں یا بادشاہوں کی طرح سے تخت پر بیٹھے ہیں جیسا کہ پہلی پیشین گوئی میں فرمایا تھا۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میں بھی ان میں ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا تم پہلے گروہ میں ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بحری مہم میں شریک ہوئیں اور اپنی سواری سے گر کر شہید ہو گئیں۔ ۱۲

(حاشیہ صفحۂ ھذا) [1] زرقانی شارح موطا کا بیان ہے کہ مہلب نے کہا کہ اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے مجاہد ہیں جنھوں نے بحری راستہ سے جہاد کیا تھا اور یزید نے سب سے پہلے "مدینۂ قیصر" یعنی قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی۔ ۱۲

[2] اور اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے اور وہ آنے والے واقعہ کی پیشین گوئی کرنا ہے چنانچہ آنحضرتؐ نے جیسی پیشین گوئی کی تھی ویسا ہی وقوع میں آیا۔ ۱۲

پہلی پیشینگوئی کا مصداق باتفاق جمہور محدثین حضرت امیر معاویہ ہیں اگرچہ تعین وقت میں علماء کے اندر اختلاف ہے اکثر علماء اور اہل سیر اس طرف گئے ہیں کہ غزوۂ قبرس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۸ھ میں عمل میں آیا۔ اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے دورِ حکومت میں ظہور پذیر ہوا۔ اسکی علامہ باجی مالکی اور قاضی عیاض نے "وھو الاظھر" کہہ کر تائید فرمائی ہے اور اسی غزوہ میں واپسی کے وقت حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا شام کے علاقہ میں اونٹنی سے گر کر شہید ہوئیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء مبارک سے اس میں شمولیت کی تھی اور اس طرح آپ کی دعا مستجاب ہوئی اور صحیح بخاری میں پہلے گروہ کے متعلق ایک روایت میں "قد اوجبوا" کے الفاظ بھی آئے ہیں جو صراحۃً اس گروہ اول کے جنتی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

شبہ دوم دوسری پیشینگوئی کا مصداق یزید بن معاویہ ہے اور یہ پیشینگوئی پہلی پیشینگوئی سے متغائر ہے اور صریح الفاظ حدیث کے اس تغایر پر دال ہیں اور علامہ نووی شارح مسلم نے اس کی تصریح بھی کردی ہے۔ دوسری خبر کا مصداق یزید بن معاویہ کا ہونا صحیح بخاری سے ثابت ہے بخاری جلد اول "باب صلوۃ النوافل جماعۃ" میں ایک لمبی حدیث میں یہ ٹکڑا بھی موجود ہے کہ قسطنطنیہ کے محاصرہ کے دوران ایک صحابی کا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسئلہ میں اختلاف ہوگیا تھا۔ اس صحابی کا بیان ہے کہ "ہم اس وقت "مدینۂ قیصر" کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ویزید بن معاویہ امیر علیہم"[1] اور علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ بعض مورخین جو کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں یزید بن معاویہ شریک نہیں تھا وہ غلط کہتے ہیں ان کی عبارت یہ ہے "واحتمال ان یزید لم یحضر مع الجیش مردود الا ان یراد لم یباشر القتال فیمکن لانہ امیر"[2]۔

دوسرے گروہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق اول جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ بخاری شریف کی روایت "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم"[3]۔ اس پر صریح دال ہے

---

[1] اور یزید بن معاویہ ان پر امیر تھا۔ ۱۲ [2] اور یہ احتمال کہ یزید لشکر میں شامل نہیں تھا ٹھیک نہیں۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اس نے خود جنگ نہیں کی تو ہوسکتا ہے کیونکہ وہ امیر تھا ۱۲۔ [3] میری امت کا جو پہلا لشکر "مدینۂ قیصر" یعنی قسطنطنیہ پر چڑھائی کریگا اس کو بخشدیا گیا۔ ۱۲۔

کیونکہ باجماع مؤرخین یہ ثابت ہے کہ یزید بن معاویہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، اور اس وقت متعدد صحابہ اس کی سرکردگی میں تھے جیسے کہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، امام حسین، ابوایوب انصاری وغیرہم۔ اور آنحضرتؐ نے اسی گروہ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ تختوں پر شاہانہ ٹھاٹھ سے متمکن تھے۔ حافظ مغرب ابن عبدالبر اس ٹکڑے کی تشریح میں فرماتے ہیں "رأیتہ صلی اللہ علیہ وسلم صفتہم فی الجنۃ کما قال تعالیٰ وعلی سرر متقابلین"[1] اور حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی یہی تشریح منقول ہے کما فی حاشیۃ البخاری۔ علامہ نووی شارح مسلم نے اس حالت کو دنیاوی حالت پر محمول کرکے اس کو "وھو الصحیح" کہا ہے۔ لیکن حافظ نے حافظ مغرب کی تائید کی ہے اور اسی روایت کے اخیر میں یہ ٹکڑا بھی ہے "مغفور لہم"

"الحدیث[2] یفسر بعضہ طرقہ بعضاً آخر" اس سے مزید برآں ان کے جنتی ہونے پر مہر ثبت ہوجاتی ہے اور ان الفاظ سے یہ بھی مشعر ہے کہ اس ثانی گروہ سے کچھ غلطیاں بھی سرزد ہوں گی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے۔

اب رہا ابن المنیر اور ابن التین کا تعقب۔ جس کا دارومدار ایک فرضی شرط کے اوپر ہے تو یہ قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث اوامر ونواہی کے قبیل سے نہیں بلکہ اخبار کے قبیل سے ہے جس میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں نکل سکتا۔ اس لئے کہ جس کے متعلق آنحضرتؐ خبر دیدیں کہ یہ دوزخی ہے تو وہ لامحالہ دوزخی ہے اور جس کے متعلق پیشین گوئی فرمادیں کہ یہ جنتی ہے تو وہ یقیناً جنتی ہے کیونکہ اس میں اگر کمی زیادتی کا شائبۂ امکان بھی ہوتا تو رب العزت فوراً تنبیہ فرمادیتے تاکہ پیغمبر کی ذات بابرکات کذب سے پاک اور مبرا رہے۔

اب بعض علماء کا یزید کو کافر کہنا اور بعض کا اس کو فاسق کہنا چہ معنی دارد؟

مہربانی فرماکر مفصل جواب سے بہرہ ور فرمائیں تاکہ شبہات دفع ہوجائیں اور طرزِ گفتگو محدثانہ ہو۔ فقط

---

[1] ان لوگوں کی بہشت میں جو کیفیت ہوگی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلائی گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ جنتی لوگ بہشت میں تختوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ [2] حدیث کا ایک طریق دوسرے کی تفسیر کرتا ہے۔

جواب

جواب شبہ اول

پہلی پیشینگوئی کے متعلق محقق اور قول فیصل یہی ہے کہ اس کا ظہور ۲۸ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر امارت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ اس غزوہ کا نام "غزوۂ قبرس" ہے اور اسی غزوہ سے واپسی کے وقت حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی شہادت ہوئی ہے اور بعض لوگوں کو امام بخاری و مسلم کے متعلق جو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں اس پیشینگوئی کے ظہور کے قائل ہیں وہ صحیح نہیں۔ ان لوگوں کو یہ غلط فہمی اس حدیث کے ایک فقرہ سے ہوگئی ہے جس کی تشریح عنقریب آرہی ہے۔

روایاتِ صحیحہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حرام رضی اللہ عنہا کو جس غزوہ کی بشارت دی تھی وہ اسلام میں سب سے پہلا غزوہ ہے جو سمندر کے راستہ سے کیا گیا تھا۔

چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے:۔

قال عمیر فحدثتنا ام حرام انها سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت ام حرام قلت یارسول اللہ انا فیهم قال انت فیهم (بخاری ج ۱ ص ۴۱۰)	عمیر کا بیان ہے کہ ہم سے ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو بحری راستہ سے جہاد کریگا اس کیلئے جنت واجب ہوگئی۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں بھی ان میں ہوں گی۔ آپؐ نے فرمایا تم بھی ان میں ہو۔

اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی اسلام میں سب سے پہلے مجاہد ہیں جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بحری راستے سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تھا اور اس غزوہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی شمولیت متیقن ہے اور روایاتِ معتبرہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسی غزوۂ قبرس میں ۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ اس لئے اب اس امر میں کیا شک باقی رہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کو جس غزوہ کی بشارت دی تھی وہ غزوہ وہی ہے جو ۲۸ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ امارت واقع ہوا تھا۔ چنانچہ حفاظِ حدیث کی تصریحات اس باب میں حسب ذیل ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

انها خرجت مع زوجها عبادة فی بعض غزوات البحر وماتت فی غزاتها وقصتها ظنها عند ما قفلوا وذالك اول ما ركب المسلمون فی البحر فی زمن معاوية فی خلافة عثمان۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۶۲)

یہ اپنے شوہر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک بحری مہم میں نکلی تھیں اور اسی بحری جنگ میں ان کی وفات ہوئی۔ ہوا یہ کہ لشکر کی واپسی پر اُن کے خچر نے انھیں گرا دیا جس سے ان کی گردن ٹوٹ گئی۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پہلے پہل مسلمانوں نے بعہد خلافت عثمانؓ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ امارت بحری راستہ سے چڑھائی کی تھی۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

(وفی ثانی خلافة عثمان) ركب معاوية نائب الشام البحر بالجيوش فافتتح قبرس۔

(دول الاسلام ج ۱ ص ۹)

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو شام کے گورنر تھے بہت سے لشکروں کے ساتھ بحری راستے سے چڑھائی کی اور قبرس کو فتح کر لیا۔

ابن عبد البر کا بیان ہے:۔

فلما وصلوا الى جزيرة قبرس خرجت من البحر فقربت اليها دابة لتركبها فصرعتها فماتت ودفنت فی موضعها وذالك فی امارة معاوية وخلافة عثمان۔

(الاستیعاب ج ۲ ص ۷۶۸)

جب لشکر جزیرہ قبرس میں پہنچا اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سمندر سے اتریں تو ان کی سواری کے لئے جو جانور پیش کیا گیا اس نے ان کو گرا دیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا۔ یہ غزوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں ہوا جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔

صاحب مشکوٰۃ نے بھی یہی لکھا ہے کہ

کان موتھا فی خلافۃ عثمان۔ (اکمال ص ۸)

ان (ام حرام) کی وفات خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی۔

ابن الاثیر کی تصریح ہے:۔

وکانت تلک الغزوۃ غزوۃ قبرس فدفنت فیھا وکان امیر ذالک الجیش معاویۃ بن ابی سفیان فی خلافۃ عثمان۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۲۴)

اور یہ غزوہ غزوۂ قبرس تھا چنانچہ وہیں ان کو دفن کیا گیا، اس لشکر کے امیر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ظہور ۲۸ھ میں بعہد خلافت عثمانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر امارت ہوا۔

اور جو حضرات بخاری و مسلم کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ یہ غزوہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا ہے جیسا کہ سائل نے اس سلسلہ میں زرقانی سے نقل کیا ہے۔ ان کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ چونکہ بخاری و مسلم کی روایت میں "فرکبت البحر فی زمن معاویۃ" الخ (وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بحری مہم میں شریک تھیں) کے الفاظ ہیں۔ اس لئے یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ہی کا ہے اور بخاری و مسلم کا اس روایت کو نقل کرنا اس بات کو بتاتا ہے کہ وہ خود بھی اسی کے قائل تھے۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے نہ امام بخاری و مسلم سے اس امر کی تصریح کہیں منقول ہے اور نہ اس عبارت کا درحقیقت یہ مطلب ہے۔ اور علامہ باجی کے قول "وھو الاظھر" کا مطلب یہ ہے کہ اس عبارت سے بظاہر یہی مفہوم زیادہ واضح ہے چنانچہ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

وظاھر قولہ "فی زمن معاویۃ" یقتضی کونہ فی امارتہ وخلافتہ وھو الاظھر۔

یعنی "فی زمن معاویۃ" کے ظاہری الفاظ اس امر کے مقتضی ہیں کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت اور ان کی خلافت میں ہوا، اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

لیکن نہ امام بخاری و مسلم اس بات کے قائل ہیں اور نہ اس عبارت کی دلالت اس مفہوم پر قطعی ہے چنانچہ علامہ باجی خود شرح موطا میں لکھتے ہیں:۔

ولو صح ما یقولہ اھل السیر لجاز ان یرید بقولہ فی زمن معاویۃ ای فی وقت ولایتہ علی الشام وذالک کان فی زمن عمر الی اٰخر زمن عثمان۔

(منتقی ج ۳ ص ۲۱۳)

اور اگر ارباب سیر کا قول صحیح ہے تو راوی نے جو "فی زمن معاویۃ" کہا ہے اس سے یہ مراد ہوگا کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے اور ان کی گورنری کا زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے لیکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دور خلافت تک رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بڑے شد و مد کے ساتھ ان لوگوں کی تردید کی ہے جو "فی زمن معاویۃ" کے لفظ سے مغالطہ کھا کر اس بشارت کا ظہور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مانتے ہیں چنانچہ حافظ موصوف رقمطراز ہیں:۔

وتقدم فی "باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ" بیان الوقت الذی رکب فیہ المسلمون البحر للغزو اولاً، وانہ کان فی سنۃ ثمان وعشرین وکان ذالک فی خلافۃ عثمان ومعاویۃ یومئذ امیر الشام۔

اور سابق میں "باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ" میں اس وقت کا بیان گذر چکا ہے کہ جب مسلمانوں نے پہلے پہل بحری راستہ سے چڑھائی کی تھی کہ یہ ۲۸ھ کا واقعہ ہے اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت شام کے گورنر تھے۔

وظاھر سیاق الخبر یوھم ان ذالک کان فی خلافتہ ولیس کذلک وقد اغتر بظاھرہ بعض الناس فوھم فان القصۃ انما وردت فی حق اول من یغزو فی البحر وکان عمر ینھی عن رکوب البحر فلما ولی عثمان استاذنہ معاویۃ فی الغزو فی البحر فاذن لہ ونقلہ ابو جعفر الطبری عن

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا تھا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اور بعض لوگ اس روایت کے ظاہری الفاظ سے دھوکہ کھا گئے اور ان کو وہم ہو گیا حالانکہ یہ پیشگوئی ان مجاہدین کے حق میں وارد ہوئی ہے جو اسلام میں سب سے پہلے بحری راستہ سے جہاد کریں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری مہم سے روکا کرتے تھے۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ویکفی
فی الرد علیہ التصریح فی الصحیح
بان "ذلک کان اول ما غزا المسلمون
فی البحر" ونقل ایضا من طریق
خالد بن معدان قال "اول من
غزا البحر معاویۃ فی زمن عثمان"
وکان استاذن عمر فلم یاذن لہ
فلم یزل بعثمان حتی اذن لہ و
قال لا تنتخب احدا بل من اختار
الغزو فیہ طائعا فاعنہ ففعل
وقال خلیفۃ بن خیاط فی تاریخہ
فی حوادث سنۃ ثمان وعشرین
وفیہا غزا معاویۃ البحر ومعہ
امرأتہ فاختۃ بنت قرظۃ ومع
عبادۃ بن الصامت امرأتہ ام حرام
وارخھا فی سنۃ ثمان وعشرین غیر
واحد وبہ جزم ابن ابی حاتم
وارخھا یعقوب بن سفیان فی
المحرم سنۃ سبع وعشرین قال
کانت فیہ غزاۃ قبرس الاولیٰ
واخرج الطبری من طریق الواقدی

نے ان سے بحری راستہ سے جہاد کرنے کی اجازت چاہی اور
انھوں نے ان کو اجازت دیدی۔ چنانچہ اس کو ابو جعفر
طبری نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے نقل کیا ہے، اور ان کی
تردید کے لئے (جو اسے حضرت معاویہ کے عہد خلافت کا واقعہ
سمجھتے ہیں) صحیح بخاری کی یہ تصریح کافی ہے کہ "یہ واقعہ
اس وقت کا ہے جبکہ سب سے پہلے مسلمانوں نے بحری راستہ سے
جہاد کیا تھا" طبری نے خالد بن معدان سے بھی یہ نقل کیا ہے کہ
سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کی خلافت میں بحری جہاد کیا تھا انھوں نے بحری مہم کیلئے پہلے
حضرت عمرؓ سے اجازت مانگی تھی لیکن انھوں نے اجازت نہ دی
پھر اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے برابر اصرار کرتے
رہے تو انھوں نے اس شرط کے ساتھ اجازت دیدی کہ تم خود کسی کا
انتخاب نہ کرو۔ بلکہ جو اس بحری مہم میں جانے کیلئے بخوشی تیار ہو
اسے ساتھ لے جاؤ اور اس کی اعانت کرو۔ چنانچہ حضرت معاویہ
رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ
میں ۲۸ھ کے حوادث کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اسی
سنہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری راستہ سے چڑھائی
کی تھی ان کے ساتھ ان کی اہلیہ فاختہ بن قرظہ تھیں اور
حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان
کی اہلیہ ام حرام رضی اللہ عنہا۔ اس واقعہ کی تاریخ اور
بھی بہت سے مورخین نے ۲۸ھ ہی بیان کی ہے اور

ان معاویۃ غزا الھم فی خلافۃ عثمان فصالح اھل قبرس و سمی امرأتہ کبرۃ بفتح الکاف وسکون الموحدۃ وقیل فاختۃ بنت قرظۃ وھما اختان وکان معاویۃ تزوجھا واحدۃ بعد اخریٰ ومن طریق ابن وھب عن ابن لھیعۃ ان معاویۃ غزا بامرأتہ قبرس فی خلافۃ عثمان فصالحھم۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۶۳)

اسی پر ابن ابی حاتم کا جزم ہے اور یعقوب بن سفیان نے اس واقعہ کو محرم ۲۷ھ میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ۲۷ھ میں قبرس کا پہلا غزوہ ہوا تھا۔ نیز طبری نے واقدی کی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں روم پر چڑھائی کی تھی اور اہل قبرس نے ان سے صلح کرلی تھی انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا نام کبرۃ (بفتح کاف وسکون باء) بیان کیا ہے اور بعض نے فاختہ بنت قرظہ بتایا ہے۔ یہ کبرہ اور فاختہ دونوں آپس میں بہنیں تھیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یکے بعد دیگرے دونوں سے عقد کیا تھا اور طبری نے بطریق ابن وہب ابن لہیعہ سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں قبرس پر چڑھائی کی تھی اور وہاں کے باشندوں سے صلح کرلی تھی۔

حافظ کی اس تصریح کے بعد اب یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی پیشین گوئی کا ظہور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا ہے نہ کہ امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں۔

جواب شبہ دوم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دوسری پیشینگوئی کا مصداق مجاہدین کی وہ جماعت ہے جو ۵۲ھ میں "مدینۂ قیصر" یعنی قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے گئی تھی۔ اور اس میں بہت سے اکابر صحابہ جیسے حضرت ابوایوب انصاری، ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل تھے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ یزید بھی اس غزوہ میں شریک تھا۔ البتہ یزید[1] کی امارت کو اس غزوہ میں بہت سے علماء

---

[1] یہ امر بحث طلب ہے کہ اس لشکر کا امیر کون تھا، یزید بن معاویہ یا عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید یا فضالہ بن عبید یا سفیان ابن عوف، بخاری میں یزید بن معاویہ کا ذکر ہے۔ سنن ابی داؤد میں عبدالرحمٰن بن خالد کا، سنن ترمذی میں فضالہ بن عبید کا اور بلاذری کی انساب الاشراف میں سفیان بن عوف کا۔ اس پر تفصیلی بحث ان شاء اللہ "ناصبیت تحقیق کے بھیس میں" آئے گی۔ نعمانی

تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں ان جلیل القدر صحابہ کرام پر یزید جیسے شخص کا اپنی نااہلی کے باوجود امیر ہونا بعید از قیاس ہے۔ چنانچہ حافظ بدر الدین عینی فرماتے ہیں:۔

قلت والاظہر ان ھؤلاء السادات من الصحابۃ کانوا مع سفیان ھذا ولم یکونوا مع یزید بن معاویہ لانہ لم یکن اھلا ان یکون ھؤلاء السادات فی خدمتہ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۴۹)

میں کہتا ہوں اور زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ حضرات اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس سفیان ہی کی سرکردگی میں تھے اور یزید بن معاویہ کی معیت میں نہیں تھے کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ یہ اکابر صحابہ اس کی سرکردگی میں ہوتے۔

لیکن جو لوگ اس غزوہ میں یزید کی امارت کو بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اکابر صحابہ کا یزید کی امارت کو تسلیم کرلینا ان کی جلالت شان کے منافی نہیں بلکہ یہ تو ان کی علو مرتبت کی بین دلیل ہے کہ باوجود یزید کی نااہلیت کے ان حضرات نے اس کے ساتھ شریک جہاد ہونے میں ذرا پس و پیش نہیں کیا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

الجہاد واجب علیکم مع کل امیر برا کان او فاجرا۔ (ابوداؤد ص ۳۴۳)

ہر امیر کے ساتھ جہاد کرنا تم پر فرض ہے خواہ وہ امیر صالح و متقی ہو یا فاسق و فاجر۔

رہی اس بشارت عظمیٰ میں یزید کی شمولیت اور اس بات سے اس کی فضیلت کا ثبوت، سو اس کیلئے اولاً بطور تمہید کچھ عرض کیا جاتا ہے جس کو پیش نظر رکھنے سے اصل حقیقت انشاء اللہ بخوبی واضح ہو جائے گی۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ تکمیل ایمان کا ذریعہ ہے اور اللہ کے نیک بندوں میں جتنا ایمان کامل ہوتا ہے اتنا ہی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا مظاہرہ ان کے اندر زیادہ ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں مومنین کی صفات میں مذکور ہے۔

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (یہ صحابہ کرامؓ) کافروں پر سخت ہیں آپس میں نرم۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے قلوب میں تخلق باخلاق اللہ کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں سے محبت اور مبغوض چیزوں سے بغض رکھنے لگتے ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی شخص کے محبوب و مبغوض ہونے کا اندازہ لگانا ہو تو سب سے پہلے اس پر نظر ڈالتے کہ صالحین

قلوب میں اس شخص کا کیا مقام ہے۔

ارشاد ربانی ہے:-

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا — اور ان کا ہم نے سچا بول بالا کیا۔

اور حدیث شریف میں ہے:-

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اذا احب عبدا دعا جبرئیل فقال انی احب فلانا فاحبہ قال فیحبہ جبرئیل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض واذا ابغض عبدا دعا جبرئیل فیقول انی ابغض فلانا فابغضہ قال فیبغضہ جبرئیل ثم ینادی فی اھل السماء ان اللہ یبغض فلانا فابغضوہ قال فیبغضونہ ثم یوضع لہ البغضاء فی الارض۔

(رواہ مسلم (مشکوۃ ص ۴۲۵))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں لہذا تم بھی اس سے محبت کرو پس جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے لہذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس آسمان والے سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اسی زمین میں عام مقبولیت عطا کر دی جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے بغض رکھتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر حکم دیتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں لہذا تم بھی اس سے بغض رکھو۔ پس جبرئیل علیہ السلام اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں اور پھر آسمان میں یہ منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے بغض رکھتا ہے لہذا تم بھی اس سے بغض رکھو پس آسمان والے سب اس سے بغض رکھنے لگ جاتے ہیں اور پھر زمین میں اس سے بغض رکھنے کا سلسلہ عام کر دیا جاتا ہے۔

پس صلحاء امت کے قلوب میں کسی کی محبت یا بغض کا ہونا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی محبوبیت یا مبغوضیت کی دلیل ہوگی۔ لہذا کسی کے مرتبہ کو متعین کرنے کیلئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ صلحاء امت، فقہاء، محدثین، متکلمین اور صوفیاء کرام کے یہاں اس کا کیا مقام ہے۔

اسی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی تعمیل کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ "انزلوا الناس منازلہم" (ہر شخص کو اس کے مرتبہ پر رکھو) اور ائمہ حدیث نے ارشاد نبویؐ کی ہی تعمیل کے سلسلہ میں اپنی کتابوں میں "ابواب المناقب" منعقد کرکے پیغمبر علیہ السلام کے کلام سے جو مقام جس کا متعین ہوتا تھا نمایاں کرکے دکھلا دیا ہے۔ اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی حدیث سے ایک شخص کی کوئی منقبت ثابت ہوتی ہو۔ اور ائمہ حدیث اس کی اس منقبت پر کوئی ترجمۃ الباب قائم نہ کریں اور نہ صوفیاء کرام، متکلمین، فقہاء اور مورخین اپنے کلام میں اس کو وہ مقام عطا کریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عطا فرمایا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ پوری امت نے اس شخص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو فراموش کردیا بھلا سوچنے کی بات ہے اگر یہ نظریہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر اسلامی تعلیم کے محفوظ ہونے کی کیا ذمہ داری ہے؟

یزید کی بدکرداریوں اور اس کی گندگیوں سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں اور وہ کسی بیان کی محتاج نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ	اور جو کوئی کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا دوزخ ہے
جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ	وہ وہاں ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوا اور
لَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝	اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے بڑا عذاب تیار کیا۔

اور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

عن عبداللہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال	عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم
لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم۔	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری دنیا کا مٹ جانا
رواہ الترمذی والنسائی ووقفہ بعضہم وہو الاصح ورواہ ابن ماجہ	اللہ کے نزدیک زیادہ حقیر ہے ایک مسلمان کو قتل کرنے سے۔
عن البراء بن عازب (مشکوٰۃ ص ۳۰۰)	

اب اس شخص کے متعلق کیا کہا جائے جس نے سیدا[1] شباب اہل الجنۃ اور ریحانتا[2] النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ ترمذی ۱۲

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حسنؓ اور حسینؓ میری دنیا کے دو پھول ہیں۔ بخاری ۱۲

ایک کو نہایت بے دردی سے قتل کرادیا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

عن المسور بن مخرمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی وفی روایۃ یریبنی ما ارابھا ویؤذینی ما اذاھا۔ متفق علیہ (مشکوۃ ص ۵۶۸)

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؓ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ وہ چیز مجھے اضطراب میں ڈالتی ہے جو فاطمہؓ کو اضطراب میں ڈالتی ہے اور وہ چیز مجھے تکلیف دیتی ہے جو فاطمہؓ کو تکلیف دیتی ہے۔

اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے بضعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچا کر خود حضور کو تکلیف پہنچائی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ یزید کے زمانۂ امارت سے پناہ مانگا کرتے تھے اور یوں دعا کرتے تھے کہ

اللھم انی اعوذ بک من راس الستین وامارۃ الصبیان (فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۳)

اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ۶۰ھ سے اور بچوں کی حکومت کے زمانے سے۔

اس روایت میں باتفاق محدثین "امارۃ الصبیان" سے یزید کی امارت مراد ہے اور صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ

المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور فمن احدث فیھا حدثا او اوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل منہ صرف ولا عدل (مشکوۃ ص ۲۳۸)

مدینہ سب کا سب عیر سے لے کر ثور تک حرم محترم ہے جو اس میں کوئی شرارت کرے یا کسی شریر کو پناہ دے اس پر اللہ اور فرشتے اور سب لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نیکی قبول نہیں کرے گا۔

نیز صحیحین ہی کی دوسری روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یکید ین اھل المدینۃ احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء (مشکوۃ ص ۲۴۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اہل مدینہ کو فریب دیگا وہ ایسا پگھل جائیگا جیسا کہ نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔

اس قسم کی احادیث صحاح میں اور بھی ہیں جن کا مصداق بلاشک وشبہ یزید ہی ہے کیونکہ وہی پہلا شخص ہے جس نے اہل بیت اور ریحانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کی ہے چنانچہ واقعۂ کربلا اور واقعہ حرہ جیسے دردانگیز اور شرمناک واقعات اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

میرا مقصد اس جگہ یزید کی برائیوں کو گنوانا نہیں بلکہ اس کے ان برے اقدامات کی طرف قدرے توجہ دلانا ہے جن کی بنا پر وہ ساری امت میں بدنام ہے اور صلحاء امت میں سلف سے لیکر خلف تک فقہاء، محدثین متکلمین اور صوفیاء کرام سب کی نظر میں مبغوض ہے اور یہی سب سے بڑا قرینہ ہے اس کے عنداللہ مبغوض ہونے کا۔

اور گو علماء میں یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہے تاہم اس کی ان بدکرداریوں کے فسق وفجور ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اب ایک طرف یزید کے ان مظالم اور فسق وفجور کو رکھئے اور ان احادیث پر نظر کیجئے جن میں اس کی مذمت وارد ہے۔ اور پھر امت کا متفقہ فیصلہ دیکھئے کہ وہ یزید کے حق میں ہے یا اس کے برخلاف اور پھر حدیث مذکور فی السوال کے عموم کو سامنے رکھئے اور پھر سوچئے کہ کیا اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے اس کے ان سارے گناہوں کا کفارہ پہلے ہی سے ہوگیا تھا جو اس غزوۂ قسطنطنیہ کے بعد اس سے سرزد ہوئے تھے؟

یہ امر بالکل واضح ہے کہ حدیث مذکور فی السوال کے عام الفاظ سے خصوصی طور پر کسی شخص کے جنتی ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔ اسی لئے ائمہ حدیث خصوصاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باوجودیکہ وہ ہر حدیث کے اکثر وبیشتر مدلولات ومحتملات پر ترجمہ منعقد کیا کرتے ہیں۔ حدیث مذکور فی السوال پر "باب فضل معاویۃ ابنہ یزید" کا ترجمہ قائم نہیں کیا۔ اور امام بخاری کیا کسی ایک محدث نے بھی اس حدیث پر فضیلت یزید کا باب نہیں باندھا۔ تمام علماء میں صرف ایک مہلب ہیں جو اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی فضیلت ومنقبت کا استنباط کرتے ہیں لیکن دوسرے شارحین نے بڑے شدومد سے ان کی تردید کی ہے۔ چنانچہ خود زرقانی نے مہلب کے قول کو نقل کرنے کے بعد "وتعقبہ ابن المنیر وابن التین الخ" کہہ کر ان کی تردید کردی ہے ـــــ زرقانی کی عبارت یہ ہے:۔

وتعقبہ ابن المنیر وابن التین بما حاصلہ	اور ابن المنیر اور ابن التین نے مہلب پر گرفت کی ہے
انہ لا یلزم من دخولہ فی ذلک العموم	جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے عموم میں یزید کے

ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا خلاف ان قولہ مغفور لہم مشروط بان یکونوا من اھل المغفرۃ حتی لو ارتد واحد بعد ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقاً فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرۃ فیہ منھم۔

(شرح موطا للزرقانی ج ۳ ص ۴۳)

داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسری کسی اور خاص وجہ سے اس سے خارج نہ ہو کیونکہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "مغفور لہم" (ان کو بخشدیا گیا) اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ مغفرت کا اہل بھی ہو چنانچہ ان مجاہدین میں سے جہاد کے بعد اگر کوئی مرتد ہو گیا تو وہ بالاتفاق اس بشارت کے عموم میں داخل نہیں ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ ان میں وہ شخص مغفور ہے جس میں مغفرت کی شرط پائی جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی مہلب کی تردید کرتے ہوئے بعینہ یہی لکھا ہے (دیکھئے فتح الباری ج ۶ ص ۷۴)

اور علامہ حافظ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:۔

قلت وای منقبۃ کانت لیزید حالہ مشھور فان قلت قال صلی اللہ علیہ وسلم فی حق ھذا الجیش مغفور لہم قلت لا یلزم من دخولہ فی ذالک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا یختلف اھل العلم ان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم مغفور لہم مشروط بان یکونوا من اھل المغفرۃ حتی لو ارتد واحد ممن غزاھا بعد ذالک لم یدخل فی ذالک العموم فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرۃ فیہ منھم۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۶۳۹)

میں کہتا ہوں کہ یزید میں کونسی فضیلت تھی؟ حالانکہ اس کا حال مشہور ہے اور اگر یہ کہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے متعلق مغفرت کی بشارت دی ہے تو میں کہوں گا کہ اس حدیث کے عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دوسری خاص وجہ سے اس سے خارج نہ ہو کیونکہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مغفرت کی بشارت دی ہے یہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ مغفرت کا اہل بھی ہو چنانچہ اگر ان مجاہدین میں سے کوئی اس جہاد کے بعد مرتد ہو گیا تو وہ اس عموم میں داخل نہیں ہوگا پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ان مجاہدین میں اسی کی مغفرت ہوگی جس میں مغفرت کی شرط بھی پائی جائے گی۔

بلکہ علامہ قسطلانی نے تو یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ مہلب نے یہ بات صرف بنو امیہ کی حمیت میں کہہ ڈالی ہے

ورنہ حدیث کے عام الفاظ سے یزید کی فضیلت پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ان کی تصریح حسب ذیل ہے:

واستدل به المهلب على ثبوت خلافة يزيد وانه من اهل الجنة لدخوله في عموم قوله مغفور لهم واجيب بان هذا جار على طريق الحمية لبني امية ولا يلزم من دخوله في ذالك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا خلاف ان قوله عليه السلام مغفور لهم مشروط بكونه من اهل المغفرة حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم يدخل في ذالك العموم اتفاقاً۔

(ارشاد الساری ج ۵ ص ۱۰۴)

اور اس حدیث سے مہلب نے یزید کی خلافت کے ثابت ہونے اور اس کے جنتی ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت "مغفور لہم" (ان کو بخشدیا گیا) کے عموم میں داخل ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ بات بنو امیہ کی حمیت کے طور پر چلی ہے ورنہ حدیث کے عموم میں کسی کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسری کسی دلیل کی بنا پر اس عموم سے خارج نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "مغفور لہم" (ان کو بخشدیا گیا) اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ مغفرت کا اہل بھی ہو چنانچہ ان مجاہدین میں سے جہاد کے بعد اگر کوئی مرتد ہوگیا تو وہ بالاتفاق اس بشارت کے عموم میں داخل نہیں ہوگا۔

اس امر کو ذہن نشین کرنے کیلئے اس پر غور کیجئے کہ جس طرح دوسری متعدد احادیث میں بہت سی بشارتیں مذکور ہیں مثلاً:۔

من قال لا اله الا الله دخل الجنة۔ (جو شخص لا الہ الا اللہ کہے وہ بہشتی ہوگا)

اور

ما اغبرت قدما عبد في سبيل الله فتمسه النار۔ (یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی بندے کے دونوں قدم خدا کی راہ میں غبار آلود ہوں اور وہ دوزخ میں داخل ہو جائے)۔

اور

لا يجتمع كافر وقاتله في النار۔ (کافر اور جس مومن نے اس کو قتل کیا ہو وہ دونوں دوزخ میں جمع نہیں ہوں گے)۔

یا دیگر احادیث میں بہت سی چیزوں پر وعیدیں آتی ہیں جیسے

من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر۔ (جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کر دیا وہ کافر ہوگیا)

اور

لایدخل الجنۃ قتات (چغلخور بہشت میں نہیں جاسکے گا)

وغیرہ اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں پھر کیا ان احادیث کے عموم کو سامنے رکھتے ہوئے کسی شخص کے متعلق قطعی طور پر یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس حدیث میں فلاں شخص کی بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ اس نے لاالہ الااللہ کہدیا ہے اور اس لئے وہ قطعی جنتی ہے؟ یا چونکہ فلاں شخص کا قدم خدا کی راہ میں ایک مرتبہ غبار آلود ہوچکا ہے اس لئے یہ حدیث اس کی فضیلت میں آئی ہے اور وہ قطعاً دوزخ میں نہیں جائے گا۔ یا چونکہ اس نے کسی کافر کو قتل کردیا ہے اس لئے وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا ورنہ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کا غلط ہونا یقیناً لازم آئے گا۔ خواہ اس کے بعد کتنی ہی معصیتوں کا اس سے صدور ہوا ہو۔ یا کوئی یوں استدلال کرنے لگے کہ جس نے کسی ایک وقت کی بھی نماز چھوڑدی وہ قطعاً کافر ہے اور کبھی بہشت میں نہیں جائیگا یا چغلخور کبھی جنتی نہیں ہوسکتا خواہ وہ توبہ کرکے سچا مسلمان ہی کیوں نہ بن جائے۔ ورنہ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کا یقیناً جھوٹ ہونا لازم آئے گا۔ اب ظاہر ہے کہ ہر سمجھدار آدمی اس قسم کے استدلال کو سن کر اس کو غلط ہی قرار دے گا۔

بس اسی طرح اس حدیث کو بھی سمجھئے کہ اس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی ایک عام بشارت دی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس جماعت کا ہر فرد قطعی طور پر جنتی ہی ہو۔ اور ہر حال میں اس کی مغفرت لازمی اور یقینی ہی ہو اور خواہ اس غزوہ میں شریک ہونے کے بعد اس مجاہد سے کتنے ہی بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب ہوا ہو۔ اور اس نے علی الاعلان احکام شرع کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ کی ہو

لہٰذا اس عموم سے کسی ایک شخص کی مغفرت اور اس کے قطعی جنتی ہونے پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں اور نہ کسی ایک خاص شخص کی عدم شمولیت سے حدیث کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے کیونکہ عام الفاظ میں ہمیشہ وہ شرائط ملحوظ ہوتے ہیں جو دوسرے نصوص میں مصرح ہوتے ہیں چنانچہ احادیث مذکورہ بالا سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ وعدے ہر اس شخص کیلئے ہیں جو ان احکام کی بجا آوری کے ساتھ ان کے منافی دوسرے احکام کا مرتکب نہ ہو اور اسی طرح وعیدیں بھی صرف اسی صورت میں ہیں جبکہ وہ توبہ اور ندامت کا اظہار نہ کرے۔

اس کو یوں سمجھئے کہ احادیث فضائل اور روایات وعید کی نوعیت وعظ و تذکیر کی ہے۔ واعظ جب کسی

چیز کی طرف رغبت دلاتا ہے یا کسی بات سے ڈرانا چاہتا ہے تو وہ اپنے کلام کو تمام شرائط وقیود سے مطلق رکھکر اس طرح پیش کرتا ہے کہ سننے والا یوں سمجھنے لگے کہ بس تھوڑی سی محنت میں یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی حالانکہ اس کے حصول کے لئے بہت سی شرائط وقیود کی پابندی ضروری ہوتی ہے جسے واعظ قصداً ترغیب وترہیب کے مقصد کے پیش نظر بیان نہیں کیا کرتا۔

یہی حال ہے اللہ رب العالمین اور اس کے برگزیدہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کا۔ کہ جب بندوں کو کسی چیز سے ڈرانا منظور ہوتا ہے تو اعلان ہوتا ہے:۔

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔

جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے اس کی سزا دوزخ ہے وہ وہاں ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر غصہ کیا اور لعنت کی اور اس کیلئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور

لایدخل الجنۃ قتات۔

چغلخور بہشت میں نہیں جائے گا۔

اور اس وقت یہ نہیں بتایا جاتا کہ اگر تم توبہ کرلوگے اور رحمت خداوندی کا دروازہ کھٹکھٹاؤگے تو ہم معاف کردیں گے اور پھر تم جنتی بن جاؤگے۔

اور اسی طرح جب کسی چیز کی طرف رغبت دلانی منظور ہوتی ہے تو اعلان ہوتا ہے کہ "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" (جو لا الہ الا اللہ کہے وہ جنتی ہوگا) اور اس وقت ان شرائط وقیود کو ذکر نہیں کیا جاتا کہ اگر تم گناہوں میں مبتلا ہوگے تو سزا بھگتنے کیلئے دوزخ میں جانا پڑے گا۔

چونکہ فقہاء امت وائمہ مجتہدین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اس لئے وہ دوسری نصوص سے شرائط وقیود کو تلاش کرکے ان عمومات کو مقید کردیتے ہیں اور ان تمام وعدہ ووعید کی اصلی حیثیت کا تعین ان ہی حضرات کا منصب ہے۔ حضرت خاتم المحدثین مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اپنی امالی میں اس نکتہ کو بخوبی واضح فرمایا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کا بیان ہے کہ یہ بات ہر شخص کے مشاہدہ میں ہے کہ جب تک کوئی شئے اپنے غیر کی آمیزش سے منزہ رہتی ہے تب تک وہ اپنے ذاتی خواص ظاہر کرتی رہتی ہے اور جب دوسری چیزیں اس میں آکر مل جاتی ہیں تو اس کی ذاتی تاثیر ختم ہوکر اس میں سب چیزوں کے امتزاج سے ایک خاص

تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جو زوالِ عارض سے زائل بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے زہر کہ قتل نفس تو اس کی ذاتی تاثیر ہے لیکن جب دیگر ادویات کے ساتھ اس کو ملا دیا جائے تو پھر وہ قوت بخش بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ان احادیث کے عمومات کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ لا الہ الا اللہ کہنے کی ذاتی تاثیر دخول جنت ہے لیکن معصیات کے ساتھ جب اس نیکی کی آمیزش ہو جائے گی تو اس کی یہ تاثیر جاتی رہے گی اور اس کی بجائے اس میں دوسری تاثیر پیدا ہو جائے گی لہذا اب لا الہ الا اللہ کے اقرار کو موجب لدخول الجنۃ کہنا بایں معنیٰ صحیح ہوگا کہ یہ اس کی ذاتی تاثیر ہے۔

اب یزید کی حالت کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق غزوۂ قسطنطنیہ میں شریک ہوا تو بلاشبہ اس بشارتِ عظمیٰ میں داخل ہو گیا لیکن اس وقت تک وہ مظالم اس سے صادر نہیں ہوئے تھے جو بعد میں سرزد ہوئے پھر سوچئے کہ اس نیک عمل سے فارغ ہونے کے بعد جب اس سے اس قدر برائیاں ظاہر ہوئیں تو اب اس کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق قطعاً جنتی ہے ممکن ہے کہ اس کی معصیتیں عند اللہ اتنی زیادہ ہوں کہ نیکیاں ان کے مقابلہ میں بالکل ہی کم رہ گئی ہوں اور پھر ان کی سزا بھگتنے کیلئے اسے دوزخ میں جانا پڑے۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ "مغفور لہم" کے الفاظ سے یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بھی اس بشارت میں داخل ہو وہ پہلے ہی سیدھا جنت میں بھیج دیا جائے بلکہ "مغفور لہم" کے الفاظ دونوں صورتوں کو شامل ہیں خواہ اول ہی میں اسے بخش دیا جائے یا بعد میں عذاب دیکر اس کی مغفرت کر دی جائے جیسا کہ اور دوسرے جہنمی مسلمانوں کے ساتھ ہوگا اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے۔ مثل مشہور ہے۔ "رحمتِ حق بہانہ می جوید" رحمتِ حق بہانمی جوید" اس لئے کیا تعجب جو اس غزوہ قسطنطنیہ کے بہانہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی آغوش رحمت میں لے لے اور اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما کر اسے بہشت میں داخل کر دے اگر حق تعالیٰ کی یہ مرضی ہو تو کون اس کو روک سکتا ہے؟ کہ اسکی شان ہے یفعل ما یشاء و ھو العزیز الحکیم۔ (وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ بڑا غالب ہے حکمت والا ہے)۔

بہر حال ہمیں چاہیئے کہ یزید کے جنتی یا دوزخی ہونے کی تحقیق میں نہ پڑیں اور اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جس معاملہ کے وہ مستحق ہیں اس سے بخوبی واقف ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم